سورۃ العصر کی تفسیر اور صبر کے ساتھ نصیحت کرنے کی تلقین

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۸/اپریل ۱۹۸۳ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہد و تعوذ و سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے سورۃ العصر کی تلاوت کی:

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

اور پھر فرمایا:

قرآن کریم کی اس چھوٹی سی سورۃ میں زمانہ کو گواہ ٹھہرایا گیا ہے اور بتایا ہے کہ انسان اس زمانہ میں بحیثیت مجموعی گھاٹے میں جا رہا ہوگا اور نقصان کے سودے کر رہا ہوگا۔ وَالْعَصْرِ میں اس زمانہ کی نشاندہی بھی فرما دی گئی۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے یہ استنباط فرمایا ہے کہ اسلام کے پہلے تین سو سال تو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ارشاد کے مطابق روشنی کا زمانہ ہے اس لئے اس زمانہ کو ہرگز گھاٹے والا زمانہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب باب فضائل اصحاب النبی ﷺ) وہ تو ایسا زمانہ تھا کہ انسان بحیثیت مجموعی کبھی اتنے نفع اور اتنے فائدہ کے سودے نہیں کر رہا تھا جتنے فائدہ مند سودے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ ؐ کے صحابہؓ اور پھر تابعین کے ہاتھوں کئے جا رہے

تھے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ کا زمانہ اس روشنی کے تین سو سال بعد کا زمانہ ہے (لیکچر سیالکوٹ روحانی خزائن جلد ۲۰ ص ۶۔۸) اور وَالْعَصْرِ میں جس زمانہ کی قسم کھائی گئی ہے اور جس کو گواہ ٹھہرایا گیا ہے اس کی مدت بھی بیان فرما دی۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے خطبہ جمعہ ۲۲/اپریل ۸۳ء ص ۲۳۳) گویا یہ معنے ہوئے کہ اس ہزار سال کو ہم گواہ ٹھہراتے ہیں جو روشنی کے زمانہ کے بعد آئیں گے اور وہ بہت ہی نقصان کا سودا ہوگا۔ وہ زمانہ انسان کے لئے سب سے زیادہ گھاٹا کھانے والا زمانہ ہوگا۔ یہ زمانہ کب تک چلے گا؟ یہ اس وقت تک چلے گا جب تک دوبارہ روشنی کی پو نہیں پھوٹے گی اور روشنی کی صبح طلوع نہیں ہوگی۔ چنانچہ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اس ہزار سال کے بعد یعنی چودھویں صدی کے سر پر پھر ایک روشنی پھوٹے گی، پھر ایک صبح طلوع ہوگی اور ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو ایمان لانے والے ہوں گے اور عمل صالح کرنے والے ہوں گے۔ وہاں سے استثنا کا ایک دروازہ کھلے گا اور بڑھتا چلا جائے گا اور یہ روشنی پھیلتی چلی جائے گی اور گھاٹے والے انسان کو فائدہ والے انسانوں میں تبدیل کرتی چلی جائے گی لیکن ان کے غلبہ کے زمانہ کو ایسا فوری قرار نہیں دیا کہ ادھر صبح نمودار ہوئی اور ادھر ساری دنیا پر وہ روشنی غالب آ گئی بلکہ نقشہ اس قسم کا کھینچا ہے کہ ایمان لانے والوں اور عمل صالح کرنے والوں کی صبح نے رفتہ رفتہ انسان کے گھاٹے کے سودے کو فائدے کے سودے میں تبدیل کرنا ہے۔ یہ جدوجہد ایک لمبے اور صبر آزما دور سے گزرے گی اور اس میں بڑی محنت اور کاوش کی ضرورت ہوگی۔ گویا اس قسم کا واقعہ نہیں ہوگا کہ ادھر سورج نکلا اور ادھر ساری دنیا میں روشنی نمودار ہوگئی بلکہ یہ ایک ایسی صبح ہے جسے آنسوؤں سے کھینچ کر لانا پڑتا ہے۔ یہ ایک ایسی صبح ہے جسے مسلسل محنت، جدوجہد اور قربانیوں کے ذریعہ اور یقین محکم کے ساتھ رفتہ رفتہ اس طرح لانا پڑتا ہے جیسے جوئے شیر لائی جاتی ہے۔ چنانچہ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ میں نقشہ یہ کھینچا کہ وہ چند لوگ جو ایمان لانے والے ہوں گے اور عمل صالح کر رہے ہوں گے وہ باقی انسانوں کو تبدیل کر دیں گے۔ وہ کس طرح تبدیل کریں گے فرمایا وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وہ تو حق کی طرف بلانا شروع کر دیں گے وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ اور بڑے صبر کے ساتھ حق کی طرف بلائیں گے۔

یہاں بِالْحَقِّ اور بِالصَّبْرِ کے اور معنی بھی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ وہ حق کی طرف بلائیں گے

اور حق طریق پر بلائیں گے۔ بِالصَّبْرِ کے معنے یہ ہوں گے کہ وہ صبر کی طرف بلائیں گے اور صبر کے ساتھ بلائیں گے اور بڑے صبر کے ساتھ وہ اس بات پر قائم رہیں گے اور جن کو وہ حق کی طرف بلائیں گے ان کو یہ تعلیم دیں گے کہ تم بھی صبر کرو۔

ان چار معنوں کے لحاظ سے مضمون بہت وسیع ہو جاتا ہے۔ سب سے پہلے تو یہ دیکھنا ہوگا کہ حق کی طرف بلانے اور حق کے ساتھ بلانے کے کیا معنی ہیں۔ قرآن کریم نے جتنے بھی واقعات بیان کئے ہیں ان سب میں حق کی طرف بلانے کے اسلوب بیان کر دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام کی تاریخ کو دیکھ لیں وہ اس مضمون کو خوب کھولتی چلی جاتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد مصطفی ﷺ تک یہ مضمون ارتقا پذیر ہے۔ یہ بڑھتا چلا جاتا ہے لیکن بِالْحَقِّ میں بیان کردہ طریق کار سے تجاوز نہیں ملے گا۔ یہ ایک خاص اور معین طریق کار ہے جس کو حق کا طریق کہا گیا ہے اور جسے اختیار کرنے میں انبیاء نے کمال کر دکھایا اور اگرچہ انبیاء کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے بڑے سبق ملتے ہیں لیکن حضرت محمد مصطفی ﷺ کی ذات بابرکات پہ جا کر تو یہ مضمون خوب واضح ہو جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جس طرح اور جس خدا کی طرف بلایا اسی طرح اسی خدا کی طرف بلانے کا نام دراصل حق کی طرف بلانا ہے۔ آپؐ نے جس طریق پر خدا کی طرف بلایا اسی طریق کے ساتھ خدا کی طرف بلانے کا نام حق کے ساتھ بلانا ہے۔

اس مضمون کے متعلق بعض امور پر میں آئندہ روشنی ڈالوں گا کیونکہ یہ ایک بہت ہی گہرا اور تفصیلی مضمون ہے۔ اس وقت مختصراً میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ حق کے ساتھ حق کی طرف بلانے میں ایک بڑا نمایاں اور واضح پیغام یہ ہے کہ تمہیں بلانے کے لئے جتنے حقوق دیئے گئے ہیں اور جو دائرہ کار تمہارا مقرر کیا گیا ہے اس سے آگے بڑھ کر تمہیں بلانے کا اختیار نہیں ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝ (الغاشیہ: ۲۲-۲۳)

تجھے ہم نے بکثرت نصیحت کرنے والا اور بڑے زور کے ساتھ نصیحت کرنے والا مقرر کیا ہے ایسا نصیحت کرنے والا جو بالآخر مجسم ذکر الٰہی بن جاتا ہے لیکن داروغہ نہیں بنایا۔ تجھے یہ حق نہیں دیا کہ جو لوگ نہ سننا چاہیں ان کو زبردستی سنائے، جو قبول نہ کرنا چاہیں زبردستی ان کے دلوں میں بات داخل

کرنے کی کوشش کرے۔ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ (الغاشیہ: ۲۴) تیری تذکیر کے بعد جو شخص بھی پیٹھ پھیرے گا اور انکار کرے گا فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ (الغاشیہ: ۲۵) پھر اللہ کا کام ہے اس کو عذاب دینا اور وہ عذاب اکبر میں اسے مبتلا کرے گا۔ میں تجھے یہ حق نہیں دیتا کہ تو ان کے لئے عذاب کا سامان کرے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کو کسی جگہ بھی عذاب دینے والا بیان نہیں فرمایا۔ ہاں رحمۃ للعالمین قرار دیا ہے۔

پس حق کے ساتھ نصیحت کرنے کے ایک یہ معنی ہوئے کہ اگر کوئی شخص نصیحت کو سن کر پیٹھ پھیر لیتا ہے یا سننے سے انکار کر دیتا ہے تو اس کے ساتھ زبردستی نہیں کرنی، اس کی مرضی کے خلاف اسے کھینچ کر لانے کی کوشش نہیں کرنی، اسے پیغام دینا ہے اور پیغام اس طرح دینا ہے جیسا کہ حق کا تقاضا ہے۔ وہ ایک الگ تفصیلی مضمون ہے۔ چنانچہ ایسے تمام لوگ جو احمدیت کی تبلیغ سنتے ہیں اور برا مناتے ہیں اور پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں ان تک پیغام کا پہنچانا تو ہمارا فرض تھا لیکن ان کے اس طرح پیچھے پڑ جانا کہ جو ہمارے حق سے تجاوز کرنے والی بات ہو یہ درست نہیں۔ آنحضور ﷺ نے پیغام دیئے، تکلیفیں اٹھا کر بھی پیغام دیئے مگر جب لوگوں نے انکار کر دیا تو آپؐ واپس اپنے گھر تشریف لے آئے۔ چنانچہ اس مضمون کے متعلق قرآن کریم میں یہ بات اور آگے بڑھا کر بیان کرتا ہے کہ بعض دفعہ پھر آگے سے جہالت شروع ہو جاتی ہے، سختی شروع ہو جاتی ہے، گالیاں دی جاتی ہیں تو اس کا جواب بھی نہیں دینا۔ اس کے مقابل پر ضد نہیں کرنی۔ یہ ہے تمہارا دائرہ کار چنانچہ فرمایا:

وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (الفرقان: ۶۴)

اس میں دو پیغام بڑے واضح ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اس جگہ کو چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ یہ سلام رخصت کا سلام ہے۔ اس میں یہ پیغام ہے کہ جب ایسے لوگوں سے تمہارا مقابلہ ہو جو جہالت پر اتر آئیں تو پھر وہاں بیٹھے رہنے کی ضرورت نہیں۔ ان کو اس حال میں رخصت کرو کہ ابھی امن ہو اور تمہاری طرف سے یہ پیغام ہو کہ سلامتی ہو تم پر۔ ہم تمہارے اندر فساد برپا کرنے کے لئے نہیں آئے۔ ہم تو تمہارے فساد کو سلامتی میں بدلنے کی خاطر آئے تھے۔ پس اگر تم اسے قبول نہیں کرتے اور اس بات پر مصر ہو کہ فساد پھیلتا رہے اور پہلے سے بڑھ جائے تو پھر ہماری جدائی ہے۔ ایسے موقع پر مومن کی شان یہ ہے کہ السلام علیکم کہہ کر علیحدگی اختیار کر لے۔

دوسرے جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا اس میں یہ پیغام ہے کہ باوجود اس کے کہ دوسری طرف سے شر پیدا ہوا ہو، مومن کی طرف سے شر کا جواب شر میں نہیں دیا جائے گا۔ شر کا جواب سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ دیا جائے گا۔ مقابل کے فساد کی کوئی ایسی کوشش نہیں ہوگی جو مومن کو فساد پر مجبور کردے، اس کا جواب ہمیشہ سلامتی ہوگا۔ پس اس طرح قرآن کریم پر غور کرنے سے حق کا مضمون کھلتا چلا جاتا ہے۔ مومن کا کام ہے کہ اس دائرہ کار میں رہ کر نصیحت کرے جو دائرہ کار قرآن کریم نے اس کے لئے مقرر فرمایا ہے اور اس دائرہ کار میں رہ کر نصیحت کرنا بہت ہی مشکل کام ہے، بڑا ہی صبر آزما مرحلہ ہے۔ چنانچہ معاً بعد فرماتا ہے وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ہم جانتے ہیں کہ یہ بہت مشکل کام ہے کہ کسی کو حق بات کی طرف بلایا جائے اور حق طریق پر بلایا جائے لیکن وہی لوگ یہ کام کر سکتے ہیں جو صبر کے ساتھ ایسا کریں۔

اب صبر میں بھی بہت سے مفاہیم ہیں جو ایک مذکّر کو معلوم ہونے چاہئیں۔ اس کو پتہ ہونا چاہئے کہ قرآن کریم صبر کے لفظ کو کن معنوں میں استعمال کر رہا ہے۔ پس وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ میں ایک تو یہ پیغام دیا گیا ہے کہ جس زمانہ کی ہم بات کر رہے ہیں اس زمانہ کے حالات آناً فاناً نہیں بدلیں گے بلکہ ایسے لوگ اس زمانہ کے حالات بدلانے پر مامور ہو جائیں گے جو مسلسل ناکامی کے باوجود پھر بھی اپنے پیغام پر قائم رہیں گے اور بڑے صبر کے ساتھ اور استقلال کے ساتھ اس پیغام کو آگے بڑھاتے چلے جائیں گے۔ یہ ایک لمبا دور ہے ورنہ صبر کا مضمون بیچ میں داخل نہیں ہوتا۔ یہ ایک لمبی آزمائش ہے۔ اگر یہ آزمائش نہ ہو تو صبر کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا اس لئے فرمایا کہ ان کا کوئی ایسا پیغام نہیں ہوگا جو آناً فاناً انقلاب برپا کردے۔ ہوسکتا ہے ایک نسل بظاہر ناکامی میں فوت ہو جائے ہوسکتا ہے اس کے بعد ایک اور نسل آئے اور وہ بھی بظاہر ناکام رہے لیکن ان کی سرشت میں شکست کھانا نہیں ہوگا۔ وہ صابر لوگ صابر بچے پیدا کریں گے اور وہ صابر نسل پھر ایک اور صابر نسل کو جنم دے گی وہ نہیں تھکیں گے اور نہیں ماندہ ہوں گے جب تک کہ انقلاب برپا نہ کرلیں جو بالآخر انسان کی تقدیر کو بدل دے گا اور گھاٹا کھانے والے انسان کی بجائے فائدہ بخش سودا کرنے والا شخص پیدا ہو جائے گا۔

دوسرے صبر کے مضمون میں دکھ کا پہلو بیان ہوتا ہے۔ جب یہ فرمایا کہ تم نے حق کے ساتھ بات کرنی ہے اور تمہیں یہ حق نہیں دیا گیا کہ تم نصیحت میں زبردستی اور جبر کو داخل کردو تو اس کے بعد کیا

ہوگا پھر وہی خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ والا مضمون شروع ہوتا ہے۔ فرمایا پھر مقابل پر جہالت ہوگی، مقابل پر ظلم ہونگے، مقابل پر سختیاں ہوں گی اس کے جواب میں تمہارے عمل میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوگی۔ تم اسی طرح صالح عمل کرتے چلے جاؤ گے اور صبر کے ساتھ صالح عمل کرتے چلے جاؤ گے جس طرح پہلے کرتے چلے آرہے تھے۔

یہاں اعمال صالحہ کے صبر سے مراد یہ ہے کہ انسان ان اعمال صالحہ میں کوئی تبدیلی نہ ہونے دے اپنے اخلاق میں کوئی تبدیلی نہ ہونے دے خواہ کتنی بڑی آزمائش ہو اس کے اخلاق اپنی جگہ قائم رہیں اور ان میں سرِ مو بھی فرق نہ پڑے۔ یہ اعمال صالحہ کا صبر ہے۔ مختلف طریق پر یہ صبر آزمایا جاتا ہے۔ مثلاً ایک چھوٹی جماعت ایک غالب ماحول میں وقت گزار رہی ہے جہاں کا معاشرہ انتہائی گندا اور زہریلا اور مذہب سے اتنا دور ہے کہ اس فضا میں جا کر رفتہ رفتہ مذہب کی حقیقت پر ہی اعتبار اٹھنا شروع ہو جاتا ہے۔ چاروں طرف سے وہ معاشرہ گھیر لیتا ہے اور جس طرح لوہے کو زنگ کھا جاتا ہے اسی طرح وہ معاشرہ چاروں طرف سے اعمال صالحہ کو کھانا شروع کر دیتا ہے۔ اس وقت وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ کا معنی یہ ہوگا کہ وہ لوگ نہ صرف یہ کہ صبر کے ساتھ نصیحت کرتے چلے جاتے ہیں بلکہ ان کے اعمال صالحہ میں بھی صبر کے پہلو نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ ایک لمحہ کے لئے بھی ان کے اندرونے میں، ان کے اخلاق میں، ان کے کردار میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ (الفتح: ۳۰) میں جو مضمون بیان ہوا ہے اسی قسم کا مضمون یہاں صبر میں بیان ہوا ہے۔ پھر اس میں جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا دکھ کا پہلو بھی ہے۔ لوگوں کو عملاً سزائیں دی جائیں گی، ان کے خلاف عملاً مخالفتوں کے طوفان اٹھیں گے، فرمایا پھر بھی وہ صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑیں گے۔ اپنے پیغام پر مسلسل قائم رہیں گے۔ یہ جیتنے والوں کی صفات ہیں۔ جس قوم میں یہ صفات پیدا ہو جائیں ان کے مقدر میں شکست نہیں رہتی۔ لازماً یہ لوگ غالب آیا کرتے ہیں، نہ صرف خود زندہ رہنے کا حق رکھتے ہیں بلکہ دوسروں کو زندہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

چنانچہ فرمایا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وہ پھر جن لوگوں کو حق کی طرف بلاتے ہیں ان کو بھی صبر کی طرف بلا رہے ہوتے ہیں یعنی یہ واضح کر دیتے ہیں کہ ہم آج جس حال میں ہیں سوائے صبر کرنے والوں کے ہم میں کوئی دخل نہیں ہو سکتا۔ ہم تمہیں مشکلات کی طرف بلانے والے ہیں، ہم تمہیں

آسان راہوں کی طرف نہیں بلا رہے ہم تمہیں ایسے راستوں کی طرف بلانے آئے ہیں جہاں پتھر برسائے جائیں گے اور پھول نہیں پڑیں گے، جہاں کانٹے بچھائے جائیں گے، جہاں دکھ ہوں گے، جہاں تمہارے خون کے قطرے بہیں گے، جہاں تمہارے سر کاٹے جائیں گے، جہاں تمہارے اموال لوٹے جائیں گے، جہاں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم جب بسیرا کرنے لگو گے تو تمہیں بسیرا نہیں کرنے دیا جائے گا، تمہارے ستانے کے انتظامات بھی تم سے چھین لئے جائیں گے، اس لئے وہ خوب کھول دیتے ہیں کہ اگر تم ہم میں داخل ہونا چاہتے ہو تو صبر کرو گے تو داخل ہو گے ورنہ نہیں ہوسکو گے۔

پس وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ کا مطلب یہ ہے کہ وہ آگے پھر صبر کی نصیحت کرتے ہیں کہ جس پیغام کو تم نے پکڑا ہے اس پیغام کے نتیجہ میں جو عمل صالح اختیار کرتے ہیں ان میں بھی تمہیں صبر کرنا پڑے گا۔ بڑے خطرناک مقابلے ہوں گے۔ ایک غالب معاشرہ سے تمہاری ٹکر ہوگی لیکن تم نے اس کو تبدیل کرنا ہے۔ اس کے زیر اثر خود تبدیل نہیں ہو جانا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق فرمایا:

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

یہ استثنا ہے۔ جب سارا زمانہ گھاٹے میں ہوگا یہ لوگ گھاٹا نہیں کھا رہے ہوں گے، جب سارا زمانہ ہلاکت کی طرف جا رہا ہوگا اس وقت نہ صرف یہ کہ یہ ہلاک نہیں ہوں گے بلکہ زمانہ کو دوبارہ فلاح کی طرف بلا رہے ہوں گے۔ لوگوں کو کامیابی کے پیغام دے رہے ہوں گے اور اس زمانہ کو رفتہ رفتہ تبدیل کر رہے ہوں گے۔

پس یہ وہ مضمون ہے جس کو بھلا کر دنیا میں کبھی کوئی قوم وہ انقلاب برپا نہیں کرسکتی جو انقلاب مذاہب برپا کرنا چاہتے ہیں۔ غیر مذہبی انقلاب جو آگ سے پکتا ہے اور آگ کھاتا ہے، جو نفرت کی تعلیم دیتا ہے اور نفرت سے نشو ونما پاتا ہے، میں اس انقلاب کی بات نہیں کر رہا۔ میں تو اس انقلاب کی بات کر رہا ہوں جس کا ذکر قرآن کریم میں ملتا ہے اور قرآن کریم میں یہ ذکر ملتا ہے کہ جب بھی مذہب کے نتیجہ میں کوئی انقلاب برپا ہوا، ایسے ہی لوگوں نے وہ انقلاب برپا کیا۔ ان لوگوں کی یہی صفات ہیں جو اوپر بیان ہوئی ہیں اور یہ تو جہاں تک بیرونی آنکھ کا تعلق ہے یہ مضمون اس سے تعلق رکھتا ہے لیکن اندرونی طور پر بھی ان کے اندر یہی صفات پائی جاتی ہیں۔ جب وہ اپنے اندر معاشرہ کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں، جب وہ اپنے دائرہ کار میں ان لوگوں کو جو پہلے سے ایمان لے آئے ہیں ان کو اعلیٰ

قدروں کی طرف بلاتے ہیں تو تب بھی وہ حق کے ساتھ بات کرتے ہیں اور حق کی طرف بلانے والے ہوتے ہیں۔ صبر کے ساتھ بات کرتے ہیں اور صبر کی طرف بلانے والے ہوتے ہیں۔ یعنی صرف تبلیغ کا مضمون یہاں بیان نہیں ہوا بلکہ تربیت کا ایک اندرونی مضمون بھی بیان ہو گیا یعنی ایمان لانے والے اور عمل صالح کرنے والے لوگ اس وقت تک اپنے ایمان اور عمل صالح پر قائم نہیں رہ سکیں گے جب تک ان کے اندر یہ صفات پیدا نہ ہو جائیں کہ وہ دوسرے کو مسلسل نصیحت کریں اور حق کی طرف بلاتے رہیں اور نہ تھکیں، حق طریق پر بلاتے رہیں اور نہ تھکیں، صبر کے ساتھ بلائیں اور نہ تھکیں اور صبر کی طرف بلائیں اور نہ تھکیں۔ یہ ان کے لئے اندرونی زندگی کی حفاظت کا انتظام ہے۔

اس مضمون پر جب ہم غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے احمدی تربیت کرنے میں اس لئے ناکام ہو جاتے ہیں کہ وہ اس مضمون کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتے۔ ان کی نصیحت میں خشونت آ جاتی ہے، ان کی نصیحت میں ایک مخفی تکبر پایا جاتا ہے، ان کی نصیحت اعتراضوں میں تبدیل ہو جاتی ہے، ان کی نصیحت نفرت کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے اور نفرت پیدا کرتی ہے اس لئے ایسے لوگ لازماً نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔ وہ اپنی ذات کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے اور نہ اپنے معاشرہ میں وہ کوئی پاک تبدیلی پیدا کر سکیں گے۔

مجھے چونکہ کثرت کے ساتھ خطوط آتے ہیں بعض دفعہ ایک ایک دن میں بارہ بارہ سو خطوط آتے ہیں اور ہر قسم کے مزاج کے لوگوں سے واسطہ پڑتا رہتا ہے اس لئے ساری دنیا میں جو احمدی ذہن اس وقت ارتقائی حالت میں سے گزر رہا ہے اس سارے ذہن پر میری نظر رہتی ہے کہ کس ملک میں کس قسم کے خیالات جگہ پا رہے ہیں، کس قسم کے خیالات نشوونما پا رہے ہیں، کیا تبدیلیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ چنانچہ اس مضمون سے تعلق رکھنے والے سب سے زیادہ قابل فکر خطوط پاکستان سے ہوتے ہیں۔ لوگ بعض دفعہ چھوٹے دل کا مظاہرہ کرتے ہیں اور نصیحت کی بجائے سختی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ ان کی گفتگو میں ایسی طرز ہوتی ہے اور ان کی طرزِ تحریر ایسی ہوتی ہے جس سے ہمدردی اور صبر کی بجائے غصہ اور نفرت کا پیغام ملتا ہے۔ مثلاً عورتوں پر اعتراض ہوں گے کہ جی فلاں کا برقع پتلا ہے۔ یہ کیا طریق ہے۔ اپنی طرف سے وہ برقع پہن رہی ہے۔ یا کہتے ہیں فلاں کا نقاب ٹیڑھا ہو جایا کرتا ہے، فلاں اچھے کپڑے پہن لیتی ہے۔ اور اسی طرح بعض لوگ مردوں پر اعتراض کرنے پر تلے رہتے

ہیں اور پھر ان کے مطالبے اتنے سخت ہوتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو یا تو جماعت سے خارج کر دیا جائے یا فوری طور پر ان کے مقاطعہ کا اعلان کر دیا جائے یا جس قدر بھی ممکن ہو سکے دوسری سزائیں دی جائیں۔ بعض لوگوں کی طرف سے عجیب وغریب خط آتے ہیں۔ لکھتے ہیں تمبا کو پینے والے سگریٹ نوشی کرنے والے اور پان میں تمبا کو کھانے والے جتنے لوگ ہیں ان سب کی وصیتیں فوری طور پر منسوخ کر دی جائیں اور ان کو کسی بھی جماعتی عہدہ کا حق دار قرار نہ دیا جائے اور نہ ان کو جماعتی عہدہ کے لئے ووٹ دینے کا حق ہو بلکہ اگر لکھنے والے کا بس چلے تو وہ یہ بھی لکھ دے کہ ان کو زندہ رہنے کا بھی حق نہ دیا جائے۔ نصیحت اور اصلاح کا یہ ایک حیرت انگیز تصور ہے جس کا قرآن کریم میں کوئی بھی ذکر نہیں ملتا۔ چنانچہ اس قسم کے تشدد پسندانہ خیالات پر جب میں ایسے لوگوں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ دیکھو! اصلاح احوال اس طرح نہیں ہوا کرتی۔ آخر تم اپنی زبان بند کیوں رکھتے ہو؟ تم کیوں ان لوگوں کے پاس نہیں پہنچتے اور ہمدردی سے ان کے اندر تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے؟ اور جب میں توجہ دلاتا ہوں کہ دعا کرو اور دعا کے ذریعہ اللہ سے مدد مانگو تب یہ حالات تبدیل ہوں گے تو آگے سے یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ہم ایسی دعاؤں کے قائل ہی نہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق میں اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ اگر تم ایسی دعاؤں کے قائل ہی نہیں جو پاک تبدیلیاں پیدا کرتی ہیں تو تمہارا اس رسولؐ سے کوئی تعلق نہیں ہے جس نے دعاؤں کے ذریعہ پاک تبدیلیاں پیدا کیں۔ تمہارا اس رسولؐ کے کامل غلام حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں ہے جس کا تربیت کے معاملہ میں سب سے زیادہ زور دعاؤں پر تھا۔ پھر ایسی جماعت میں بیٹھے تم کیا کر رہے ہو۔ یہ جماعت تو دعا گو لوگوں کی جماعت ہے، یہ تو صبر کرنے والوں کی جماعت ہے، یہ نصیحت کرنے والوں کی ایسی جماعت ہے جن کا دل غم سے گھل رہا ہوتا ہے تب وہ نصیحت کرتے ہیں اور ان کی نصیحت میں کوئی طعن نہیں ہوتا، لوگوں کے دلوں کو کوئی چرکا نہیں لگاتے بلکہ صبر سے نصیحت کرتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دوسروں کو دکھ نہیں پہنچاتے ہاں اپنے دل کو دکھ دیتے ہیں تب ان کی نصیحت کامیاب ہوتی ہے۔ بالکل الٹ مضمون ہے ایک طرف نصیحت کرنے والے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ نصیحت کے ساتھ جب تک چاقو نہ چلائے جائیں، جب تک دلوں کو چرکے نہ دیئے جائیں اس وقت تک نصیحت کامیاب نہیں ہوسکتی۔

دوسرا طریق بھی چاقو چلانے کا ہی ہے مگر اس کا رخ بدل دیا گیا ہے۔ غرض اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ میں یہ تعلیم دی گئی کہ مومن اپنے دل پر چرکے لگاتے ہیں، خود ان لوگوں کا غم محسوس کرتے ہیں تب ان کی نصیحت میں ایک سوز پیدا ہو جاتا ہے، غم کا ایک عنصر داخل ہو جاتا ہے۔ اس غم کے نتیجہ میں جو اپنے دل میں ان لوگوں کے لئے محسوس کر رہے ہوتے ہیں، ان کی نصیحت میں بڑی قوت آ جاتی ہے۔ چنانچہ اس کی آخری اور انتہائی مثال قرآن کریم نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی دی ہے۔ فرمایا:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الشعراء: ۴)

اے نصیحت کرنے والے کیا تو ہلاک ہو جائے گا اس غم میں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے؟ اتنا بڑھا ہوا غم ہے کہ اللہ کی پیار کی نظریں پڑ رہی ہیں کہ اے محمدؐ! بس کر تو خود اب اس غم میں ہلاک ہو جائے گا اتنا بڑھ گیا ہے تیرا غم ان لوگوں کے لئے جو تیری بات نہیں مان رہے۔ چنانچہ جتنا غم زیادہ ہو نصیحت میں اتنا ہی اثر زیادہ ہوتا چلا جاتا ہے اسی لئے آنحضور ﷺ کی نصیحت عام لوگوں کی نصیحت کی طرح نہیں تھی۔ آپؐ کی بات میں اتنا گہرا سوز تھا، اتنی سچائی تھی، اتنا گہرا احساس تھا کہ اس کے نتیجہ میں وہ دلوں کو تبدیل کرتی چلی جاتی تھی۔

پس تبدیلی کی کنجیاں رکھی گئی ہیں صبر میں، تبدیلی کی کنجیاں رکھی گئی ہیں سوز و گداز میں لیکن اس بات میں نہیں کہ دوسروں کو چرکے لگاؤ اور دوسروں کو دکھ پہنچاؤ پھر تم کامیاب ہو گے۔ بالکل الٹ نتیجہ نکلتا ہے نصیحت کے ساتھ اگر آپ طعن و تشنیع کو شامل کر دیں گے تو لوگ متنفر ہونا شروع ہو جائیں گے۔ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے جب ان کی بات میں غصہ پایا جائے یا طعن پایا جائے تو بعض نمازیوں کو نماز سے بھگا دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں جاؤ جہنم میں تم اور تمہاری نمازیں ہم نہیں پڑھتے اگر تم نے اس طرح بات کرنی ہے۔ چنانچہ اس طرح ان کی پہلی تھوڑی بہت جو نیکیاں ہوتی ہیں ان سے بھی وہ محروم کر دیئے جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ نصیحت میں جب بھی طعن و تشنیع کا عنصر پایا جائے گا اس کے پس منظر میں آپ برائی دیکھیں گے۔ ایسا شخص لازماً متکبر ہوتا ہے۔ اگر نصیحت کرنے والے کے دل میں ریاکاری یا تکبر نہ ہو تو نصیحت میں سختی پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔ پس تکبر بعض دفعہ نیکی کا تکبر ہوتا ہے، بعض دفعہ کسی اور

چیز کا تکبر ہوتا ہے لیکن وہ خدا بننا چاہتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں اس کو زبردستی ٹھیک کرتا ہوں یہ ہوتا کون ہے میری بات نہ ماننے والا اور اس طرح طبیعت میں سختی پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے اگر میری یہ بات نہیں مانے گا تو میری سبکی ہوگی یہ میرے دائرہ کار سے نکل جائے گا اور اپنا سر اٹھالے گا اور کہے گا کہ میں تمہارے قابو میں نہیں آؤں گا۔ اس سے دل میں ایک غصہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کی ایسی تیسی میں اس کو ٹھیک کرتا ہوں جس طرح بھی بس چلے۔ اگر جسمانی طور پر بس نہیں چلتا تو پھر کہتا ہے میں طعن و تشنیع کروں گا، بدنام کروں گا، ساری دنیا میں اس کا مذاق اڑاؤں گا۔ کہوں گا یہ دیکھ لو اس قسم کا آدمی ہے۔ اس طرح اپنے دل کو ٹھنڈا کرتا ہے آخر دل میں کوئی آگ تھی تو اس کو ٹھنڈا کیا۔ دراصل یہی وہ آگ ہے جو تکبر کی آگ ہے جو دلوں میں نفرتیں پیدا کرتی ہے اور جس کے دل میں یہ آگ سلگتی ہے اس کو تو جلا کے رکھ دیتی ہے لیکن اس کے نتیجہ میں کبھی کوئی پاک تبدیلی نہیں پیدا ہوئی۔

پھر تکبر اس وجہ سے بھی ہوتا ہے کہ بعض نیکیاں دماغ کو چڑھ جاتی ہیں۔ مثلاً ایک آدمی نے داڑھی رکھی ہوئی ہے جب وہ بغیر داڑھی والے لوگوں کو دیکھتا ہے تو اس کو غصہ آجاتا ہے۔ وہ کہتا ہے دیکھو! میں نے ایک ایسی نیکی کر لی ہے کہ اب یہ مجھ پر اعتراض نہیں کر سکتا اس لئے وہ ہر اس شخص کو نفرت کی آنکھ سے دیکھ رہا ہوتا ہے اور اس کی بہت ہی تذلیل کر رہا ہوتا ہے جس نے داڑھی نہیں رکھی ہوتی۔ ایک آدمی نماز کا عادی ہے تو وہ بے نمازیوں کی تذلیل کر رہا ہوتا ہے ایک آدمی سچ بولنے کا عادی ہے تو وہ جھوٹوں کی تذلیل کر رہا ہوتا ہے اور یہ نہیں دیکھتا کہ خود اس کے اپنے اندر کتنے نقائص ہوں گے جو بعض دوسروں میں نہیں ہیں اور کتنی کمزوریاں ہوں گی جو خدا کے علم میں ہیں خواہ بندوں کے علم میں نہ بھی ہوں تب بھی یہ اس کی ذات میں موجود ہیں۔ تو انکسار کی بجائے جب وہ دوسروں کی کمزوریاں اور اپنی نیکیاں دیکھتا ہے تو اس کے اندر ایک تکبر پیدا ہو جاتا ہے اور جس شخص میں بھی یہ پیدا ہو جاتا ہے وہ اصلاح احوال کے قابل نہیں رہا کرتا کیونکہ تکبر کے نتیجہ میں منہ سے نکلی ہوئی بات متنفر تو کیا کرتی ہے وہ سچائی کی طرف دلوں کو کھینچ کر نہیں لایا کرتی۔

پھر نصیحت کرنے والے میں تو ایک غیر معمولی جذب ہونا چاہئے، ایسا جذب جس سے کوئی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور کشاں کشاں اس کی طرف کھنچا چلا آئے۔ یہ قوت جاذبہ ہمیشہ ہمدردی کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے اور جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا دکھ کے نتیجہ میں اس کو نشوونما ملتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کی رو سے ہم ایسے ہی نصیحت کرنے والے ہیں اور ہمیں ایسی ہی نصیحت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ ہمیں لازماً حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نقش پا پر چلنا پڑے گا ہم ایسے نصیحت کرنے والے ہیں جنہیں محمد مصطفیٰ ﷺ کے نقش کو چومتے ہوئے آگے بڑھنا ہوگا ایک قدم بھی اگر ہم نے اس راہ سے دوسری طرف ہٹایا تو ہم اس زمرہ میں شمار نہیں کئے جائیں گے جن کی قسمت میں دنیا کی تقدیریں بدلنا ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی ساری زندگی اس کی گواہ ہے کسی ایک موقع پر بھی اور کسی ایک نصیحت میں بھی کوئی ادنیٰ سا تکبر یا نفرت کا کوئی شائبہ تک نہیں ملے گا۔ آپؐ نے اپنی جان پر غم وارد کئے، آپؐ لوگوں کے غم میں گھلتے رہے، آپؐ نے ان کے لئے راتوں کو اٹھ اٹھ کر گریہ وزاری کی یہاں تک کہ امہات المومنینؓ کی گواہی ہے کہ بعض دفعہ آپؐ راتوں کو چھپ کر باہر نکل گئے اور ہم نے جب جا کر دیکھا تو اس حال میں آپؐ گریہ وزاری کر رہے تھے اور زمین پر اس طرح نڈھال پڑے ہوئے تھے اور اس طرح آپؐ کے سینہ سے آوازیں نکل رہی تھیں جس طرح کوئی ہنڈیا ابل رہی ہے۔ (سنن نسائی کتاب عشرۃ النساء باب الغیرۃ) اس طرح راتوں کو اٹھ اٹھ کر اور چھپ چھپ کر خدا کے حضور گریہ وزاری کرنا صبر کے سوا تو پیدا نہیں ہوا کرتا۔ لوگوں کے ہاتھوں آپ بے انتہا دکھ اٹھاتے تھے لیکن آپؐ کے ہاتھوں کسی نے کبھی کوئی دکھ نہیں اٹھایا۔

پس اگر آپ نے کامیاب ناصح بننا ہے اور وہ مذکّر بننا ہے جس کے مقدر میں خدا تعالیٰ نے لازماً فتح رکھ دی ہے اور یقیناً وہ کامیاب ہوگا تو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرنی پڑے گی کیونکہ آپؐ دنیا کے سب سے بڑے مذکّر تھے اس لئے ہمیں ایک ایک قدم سوچ کر رکھنا پڑے گا۔ اگر ہمارا ایک قدم بھی حضور اکرم ﷺ کی طرز نصیحت سے باہر نہ جائے تو پھر دیکھیں کہ خدا کے فضل سے وہ امیدیں جو آپ سے وابستہ ہیں اور وہ توقعات جو خدا تعالیٰ نے اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کے تابع قرآن کریم میں بیان فرمائی ہیں کس طرح آپ کی شان میں پوری ہوتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آج اگر جماعت احمدیہ نے نصیحت اور ہمدردی کے اس اسلوب کو چھوڑ دیا تو پھر اس دنیا کو بچانے والا اور کوئی نہیں آئے گا۔ **تم وہی آخری جماعت ہو جو دنیا کو زندہ کرنے کے لئے اور دنیا کو موت سے نجات دینے کے لئے پیدا کی گئی ہے۔** پھر نہ قرآن میں نہ حدیث میں اس جماعت کے بعد کسی اور جماعت کا ذکر ملتا ہے اس لئے تم اپنی نیکیوں کی حفاظت کرو، اپنے مقام کو

پہچانو، اپنے منصب کو جانو اور خوب غور کرو اگر تم اس منصب سے ہٹ گئے تو پھر دنیا آئندہ کبھی کسی نصیحت کرنے والے کا منہ نہیں دیکھے گی۔ ہلاکت کے سوا پھر دنیا کے مقدر میں کچھ نہیں لکھا جائے گا اس لئے نصیحت خواہ اندرونی ہو یا بیرونی، خواہ اس کا نام آپ تربیت رکھیں یا اس کو تبلیغ کہیں، دونوں صورتوں میں لازماً ہمیں حق کی طرف ہی بلانا ہے اور حق کے ساتھ بلانا ہے، اپنے دائرہ کار کے اندر رہ کر بلانا ہے اس سے تجاوز ہرگز نہیں کرنا اور صبر کی طرف بلانا ہے۔

پس یہ کام آپ کرتے رہیں اور اس بات کی قطعاً پروانہ کریں کہ دنیا اس وقت غالب ہے۔ بڑی بڑی جماعتیں دنیا میں آیا کرتی ہیں جو ایسی چھوٹی چھوٹی جماعتوں سے ٹکر لے لیتی ہیں جن کے اندر یہ صفات حسنہ پائی جاتی ہیں اور تاریخ مذاہب ہمیں بتاتی ہے کہ یہی اقلیتیں ہمیشہ جیتا کرتی ہیں اور وہ جو ان صفات سے عاری ہوتی ہیں ہمیشہ ہار جایا کرتی اس لئے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے آگے بڑھیں۔ حق بات کی طرف بلاتے رہیں حق کے ساتھ بلاتے رہیں، صبر کی نصیحت کرتے ہوئے چلیں اور صبر اپنے اعمال میں اور اپنی گفتگو میں داخل کرتے ہوئے آگے بڑھیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور جلد وہ وقت لائے جب ہم انسان کو گھاٹا پانے والے انسان کی بجائے ایک فائدہ اٹھانے والے اور فلاح کی طرف بڑھنے والے انسان میں تبدیل کر دیں۔ آمین۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۴؍ جولائی ۱۹۸۳ء)